آزاد کشمیر میں علمائے کرام و مشائخ عظام کی سوانح نگاری

محمد جاوید اقبال
راجا نزاکت علی

Abstract:

In the region of Kashmir, Islam has been able to render a convincingly deep impression along with simultaneously penetrating impact of Local Culture, civilization and traditions. Advent of saints in Kashmir and their veneration by Kashmiris has always been salient throughout this Culture and civilization.Writers of Azad Kashmir endeavored to express their deeply rooted adherence to Islam as well as their cordial connection with saints and mystics through writing biographies of spiritual and religious personalities. Such personalities include Hazrat Maulana Abdullah Kifal Gharhavi, MaulanaAbdulGhani, Hazrat Maulana Syed Sanaullah shah,Hazrat Qazi Fathullah Siddiqi, Meer Syed Ali Hamdani, Hazrat Shah Inayat Wali, HazratSaheli Sarkar.

کشمیر کے جغرافیائی تنوع کی طرح یہ خطہ زبانوں کے تنوع میں بھی حیرت انگیز ہے۔ سنسکرت ڈوگری، عربی، فارسی، اردو، کشمیری، پہاڑی، گوجری، بلتی، شینا، بروشسکی، بدرواہی اور بکروالی زبانوں اور بولیوں نے کشمیر کے زبان و ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ عربی زبان و ادب نے بالعموم اور فارسی زبان و ادب نے بالخصوص اردو ادب کی بنیادیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے یہی وجہ ہے کہ عربی اور فارسی کے اثرات ریاست جموں و کشمیر کی اردو ادب کی روایت میں بالعموم اور سوانح نگاری میں بالخصوص زیادہ نظر آتے ہیں۔ مسلمان جب کشمیر میں بر سر اقتدار آئے تو انھوں نے نہ صرف ریاست جموں و کشمیر میں مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی بلکہ توحید کی ترویج، مساوات اور معاشرتی و سماجی ترقی کے لیے کردار ادا کر کے کشمیر کو جنت نظیر بنا دیا۔ اس کے نتیجے میں ریاست جموں و کشمیر میں صوفیائے کرام اور

بزرگان دین کا سلسلہ تیزی سے بڑھا یہی وجہ ہے کہ کشمیر کو اولیاء اللہ کا مسکن کہا گیا۔ سید محمود آزاد کے مطابق:

"کشمیر کی وادی کو اولیا اللہ کا مسکن کہا گیا اور حق بات یہ کہ تیرھویں صدی عیسوی کے تاریخ کے ہر دور میں اس روح پرور وادی میں ایسے باکمال بزرگان دین اور علما و مشائخ گزرے ہیں۔ جن کے دینی اور روحانی کارنامے آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں اور جن کے ذکر کے بغیر کشمیر کی تاریخ نامکمل رہتی ہے"(۱)

صوفیائے کرام کی کشمیر میں آمد نے کشمیریوں کی سیاسی، سماجی، اخلاقی اور مذہبی زندگی پر نہ صرف گہرے اثرات مرتب کیے بلکہ دونوں کو محبت، عقیدت اور احترام کے لازوال رشتے میں باندھ دیا۔ نتیجے میں کشمیر کے اہل قلم حضرات نے اولیائے کرام کی زندگی کو دوام بخشنے کے لیے ان کے حالات و واقعات قلم بند کیے یوں پہلے فارسی اور پھر اردو میں سوانح نگاری کی روایت کا آغاز ہوا چنانچہ فارسی میں "تذکرۃ العارفین" از علی بابا دینہ، "نور نامہ" از بابا نصیب الدین غازی" اور فتحات الکبریہ" از حاجی عبدالوہاب جیسی تخلیقات منظر عام پر آئیں۔ جبکہ اردو میں غلام احمد مہجور کی "حیات رحیم" مفتی محمد شاہ کی "مقدس زندگی" "مناسک سادات"، فتوحات ربانی اور حیات عرفی اور محمد دین فوق کی "تذکرۃ الصالحین" اہم تصانیف ہیں۔

تقسیم برصغیر کے بعد ریاست جموں و کشمیر کا جو علاقہ "آزاد ریاست جموں و کشمیر" کہلایا کی ادبی روایت سابقہ ریاست جموں و کشمیر کا ہی تسلسل ہے۔ آزادی کے بعد خطے میں متعدد ایسی تصانیف منظر عام پر آئیں جو بزرگان دین کے حالات و واقعات پر مبنی ہیں اور سوانح نگاری کے نقش اول کی صورت کے طور پر انھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان تصانیف میں "حیات امیر شریعت مولانا عبداللہ کفل گڑھی" از قاضی بشیر احمد، فیض الغنی، از پروفیسر یعقوب شائق "سوانح حیات مولانا ثنا اللہ شاہ" از عطا اللہ شاہ حضرت پیر سید علی ہمدانی ڈاکٹر محمد ریاض "شاہ ہمدان" مرتبہ جواد جعفری "حیات پیر شاہ غازی" مرتبہ سید محمود آزاد، "حیات حضرت جنید شاہ" مرتبہ سید محمود آزاد، "حیات حضرت غازی قلندر"، "حضرت شاہ عنایت اللہ ولی"، "حیات حضرت سہیلی سرکار" حیات سائیں، "حیات حضرت محمد علی" مرتبہ سید محمود آزاد، "فیضان سید علی" مرتبہ شبیر احمد شاہ اور تذکرہ صوفیائے کشمیر از ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری قابل ذکر ہیں۔

حیات امیر شریعت حضرت مولانا عبداللہ کفل گڑھوی:

حضرت مولانا عبداللہ کفل گڑھوی فاضل دیوبند کو خطہ پونچھ کی نامور مذہبی شخصیت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ڈوگرہ عہد حکومت میں ریاست پونچھ کے مسلمانوں کے ملی وسیاسی حقوق کے حصول کے لیے ان کی خدمات گراں قدر ہیں۔ قاضی بشیر احمد نے "حیات امیر شریعت" میں مولانا عبداللہ کفل گڑھوی کے حالاتِ زندگی، حصول تعلیم اور خطہ پونچھ میں ان کی سیاسی، دینی خدمات کا احاطہ کیا ہے۔امیر شریعت مولانا عبداللہ کفل گڑھوی کے متعلق قاضی بشیر احمد لکھتے ہیں:

"امیر شریعت مولانا عبداللہ ریاست پونچھ کے نڈر اور بے باک رہنما تھے۔ ظلم وجبر کے سیاہ ترین دور میں انہوں نے پونچھ کے مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کا حوصلہ دیا۔ یوں تو اس دور میں مسلمانوں کے اور بھی کئی رہنما تھے لیکن مولانا کیآواز سب سے زیادہ وزنی تھی یہی وجہ ہے کہ پونچھ کے عوام نے قبیلائی اور عصبیتوں سے بالاتر ہو کر آپ کی لیڈر شپ کو قبول کیا اور آپ نے جب بھی حکومت کی زیادتیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو پونچھ کے کونے کونے سے لوگ حمایت میں کھڑے ہوئے تھے"(2)

کتاب میں مولانا عبداللہ کے حالاتِ زندگی بیان کرنے سے قبل پس منظر میں برصغیر کے سیاسی حالات وتحاریک ،1857 کی جنگ آزادی، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت، تحریک بالاکوٹ تحریک کشمیر اور تحریک پاکستان کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔کتاب کا سب سے اہم حصہ باب دوم ہے۔جس میں قاضی بشیر احمد نے صاحب سوانح کی سیاسی وملی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔مولف نے آخر میں مختلف سیاسی ومذہبی شخصیات کے تاثرات بیان کیے ہیں ۔ان شخصیات میں شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف پلندری، سردار محمد ابراہیم خان، سردار محمد عبدالقیوم خان، سردار فتح محمد کریلوی، سید ثناءاللہ شاہ، اور سردار محمد الطاف سالک قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا عبدالہادی صاحب سوانح کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مولانا مرحوم ہر صفت سے یکتائے زمانہ وممتاز حیثیت رکھتے تھے علمائے کرام میں ایسا مولوی کوئی نہیں دیکھا۔اگر مولانا کو فخر اسلام کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا"(3)

مولانا محمد عبداللہ مرحوم کفل گڑھوی ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی ملک اور ملت کے لیے وابستہ کر دی ہے۔ انہوں نے قومی و ملی حوالے سے جو خدمات سرانجام دیں انہیں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

فیض الغنی:

مولانا عبدالغنیؒ کا شمار دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب وہ واپس اپنے آبائی علاقہ غنی آباد (جھڑ) ضلع باغ آئے تو اس دور میں ہندوؤں اور سکھوں کے میل جول کے باعث مسلمانوں میں بعض ایسی رسوم فروغ پا چکی تھیں جو دین اسلام کے صریحاً منافی تھیں۔ جعلی فقیروں اور پیروں کی آؤ بھگت، ہر جمعرات کو کھانا پکا کر رکھنا کہ روحیں گھروں کو لوٹتی ہیں، کالے مرغ اور کالے بکرے کا صدقہ کرنا، شادی میں لڑکی والوں کا لڑکے والوں سے روپے پیسے لینا، جیسے مقامی اصطلاح میں رَم کہا جاتا تھا اور پھر ابھی میت کی تدفین نہیں ہوتی تھی کہ گھر والوں کو کھانا پکا کر دیا جاتا تھا۔ یہ اور ان جیسی کئی اور بدعات معاشرے کا لازمی جزو بن چکی تھیں۔ تعلیم نہ ہونے کے باعث دین اسلام سے تعلق واجبی سا تھا۔

مولانا نے اس علاقے میں رواج پا جانے والی غیر شرعی رسومات کے خاتمے اور مسلمانوں کو دین اسلام کی صحیح روح سے روشناس کروانے کے لیے سب سے پہلے اپنے گاؤں جھڑ (غنی آباد) اور بعد ازاں "بیس بگلہ" جہاں اس وقت جنگل ہوا کرتا تھا ایک مسجد اور "مدرسہ انجمن فیض القرآن" کی بنیاد رکھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے اسی مدرسے کے زیر اہتمام سالانہ دینی جلسوں کا بھی تسلسل (جو اب بھی منعقد کیے جاتے ہیں) سے انعقاد کیا۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کے دور دراز علاقوں سے علمائے کرام کو دعوت دی جاتیں تھوڑی ہی مدت کے بعد اس علاقے سے نہ صرف غیر اسلامی رسومات اور بدعات کا خاتمہ ہوا بلکہ مدرسہ انجمن فیض القرآن بیس بگلہ سے فارغ ہونے والے طلبہ نے دوسرے علاقوں میں بھی جا کر دین اسلام کی شمع کو روشن کیا۔ مولانا سید ظفر حسین ندوی سابق ڈائریکٹر امور دینیہ آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مولانا عبدالغنی کے ان اقدامات کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> "صاحب سوانح حضرت مولانا عبدالغنیؒ سے میرا تعلق 1943ء سے ان کی کی وفات 1966ء تک پورے (23) برسوں پر محیط ہے۔ 1947 کے جہادِ آزادی میں ہم نے مل کر کام کیا۔ ان کی حیات میں بھی اور ان کے بعد بھی ان کے قائم کردہ

"مدرسہ فیض القرآن" کے سالانہ اجتماعات میں حاضری کا موقع ملتا رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا عبد الغنی مرحوم خدا ترسی، اخلاص، تقویٰ، علم و فضل اور زہد و رع کے اعتبار سے اسلاف کی سیرت کا دلکش نمونہ تھے۔ وہ وجہ اللہ دوسروں سے تعلق استوار کرتے اور جو شخص ایک مرتبہ ان کے قریب آجاتا وہ ان کا گرویدہ بن جاتا۔ انہوں نے ایک دور افتادہ جنگل پر دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی جہاں باہر سے کسی فرد کا پہنچنا دشوار تھا۔ اس زمانہ میں ذرائع آمد و رفت نہیں تھے اور نہ آج کی طرح پختہ سڑک موجود تھی لیکنیہ صرف مولانا کا اخلاص تھا جو آزاد کشمیر اور پاکستان کے بڑے بڑے علمائے کرام کو اس پہاڑی پر کھنیچلا تا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے بیس بگلہ کی "جامع مسجد" اور "مدرسہ فیض القرآن" کی عمارت تعمیر ہوئی اور پھر چند سالوں میں وہ بڑی دینی درسگاہ بن گئی"(4)

مولانا عبد الغنی کے ایک شاگردِ رشید پروفیسر یعقوب شائق نے مولانا کی انہی دینی خدمات کے حوالے سے "فیض الغنی" کے نام سے ان کی سوانح حیات کو مرتب کیا ہے اوران کارناموں کو بھی بیان کیا ہے جو مولانا عبد الغنیؒ مرحوم نے اس خطہ میں سرانجام دیئے۔

مؤلف نے اپنی تصنیف کے آغاز میں "دارارقم" سے لے کر دارالعلوم دیوبند تک اسلامی دنیا کے نظام تعلیم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ علاوہ ازیں ان نامور کشمیری علماء کا بھی ذکر کیا ہے جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ ان علما میں مولانا محمد انور شاہ کاشمیری، مولانا علم دین کفل گڑھوی، مولانا میر واعظ سید محمد یوسف شاہ، مولانا محمد شریف خان، مولانا غلام حیدر پھلیاں والے، مولانا عبد الرحمان ٹاٹوی، مولانا خلیل احمد ٹاٹوی، مولانا عبداللہ سیاکھوی، مولانا عبداللہ بھمبروی اور مولانا عبد القدوس شامل ہیں۔ مولانا عبد الغنی کی شخصیت کے بارے میں پروفیسر یعقوب شائق لکھتے ہیں:

"دیکھنے میں ایک عام انسان لیکن پاس بیٹھے تو اایک ایسے غیر معمولی انسان سے سابقہپڑے جس کے قرب میں روح کو بالیدگی حاصل ہو۔ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ جس کی مجلس میں زندگی امید اور استقامت کا دامن تھام لے اور خزاں زدہ دلوں پر بہار کی چاندنی لوٹ آئے اور جس کی محفل میں روح کی پہنائیاں، ایماں و یقین کی ٹھنڈک محسوس کریں۔ مزاج میں انکساری، خودداری اور دنیاوالوں سے بے نیازی کا ایک حسین و جمیل امتزاج..... گفتگو میں بلا کا سوز اور حرارت کہ جس سے

پتھر پگھل جائیں۔ طبیعت میں سادگی، مسائل کے تجزیہ میں منطقی استدلال، افراط و تفریظ سے گریز، معاملات میں کھرا پن، قلب و زبان اور فکر و عمل میں مکمل ہم آہنگی۔"(5)

مولانا کی دین اسلام سے وابستگی اپنی انتہا درجے پر تھی۔ ان کی یہ وابستگی مصنف کے مطابق:

"ان کی شخصیت میں شرافت اور وضع داری کے ساتھ ایک خاص قسم کا رعب و جلا ل بھی تھا۔ ان کی مجلس میں کسی چھوٹے یا بڑے کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ گفتگو کرتے ہوئے کسی ناشائستہ بات یا ابتذال پر اتر آئے۔ خلاف شریعت بات پر انہیں اشتعال آجاتا اور سخت گرفت فرماتے۔ ایسے مواقع پر وہ کسیمداہنت یا مصلحت کو گوارا نہیں فرماتے تھے۔ جو بات کہنا ہوتی علی الاعلان کہتے۔ پیٹھ پیچھے باتیں کرنے سے شدید نفرت تھی۔"(6)

کشمیر میں آنے سے قبل ہی مولانا نے اپنے اہداف کا تعین کر لیا تھا۔ چنانچہ کشمیر آمد کے فوراً بعد ہی انہوں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ ان کی دینی خدمات کے سلسلے میں مؤلف بیان کرتے ہیں:

"جملہ افراد کی شہادت یہ ہے کہ دیوبند سے تشریف آوری کے فوری بعد آپ نے سب سے پہلے گاؤں کے بااثر اور معتبر افراد کا اجلاس طلب کیا اور ان کے سامنے کام کا پورا نقشہ کار رکھا۔ یہ اہداف حسب ذیل تھے۔

اولاً: عوام الناس کو ایمان و یقین کے تقاضوں سے روشناس کرنا اور انہیں ارکان اسلام کی ادائیگی کے لیے دعوت دینا۔

ثانیاً: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک تعلیمی ادارے کا قیام

ثالثاً: شرک و بدعت اور غیر اسلامی رسوم و رواج کی اصلاح کے لیے باضابطہ تحریک کا قیام

رابعا: جہاد کشمیر کی تیاری اور وسائل کی فراہمی۔"(7)

پروفیسر یعقوب شائق نے اپنی اس کتاب میں مولانا کی سرکردگی میں قائم کیے جانے والے مختلف دینی مدارس، مساجد، 1947 کے جہادِ آزادی میں مولانا کے کردار، امیر بیت المال کی حیثیت سے ان کی تقرری اور بحیثیت عربی مدرس ان کے تقرر کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ علاوہ ازیں "فیض الغنی" میں ان 41 شخصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو مولانا کی دینی مساعی جمیلہ میں ان کے ساتھ رہی ہیں یا مولانا سے اکتساب فیض کیا ان شخصیات کے تاثرات کو بھی تصنیف کا حصہ بنایا گیا ہے۔ ان نمایاں شخصیات میں سردار محمد عبدالقیوم خان سابق صدر و وزیر اعظم آزاد کشمیر، میجر (ر) محمد ایوب خان سابق سپیکر آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی، مولانا محمد یوسف خان شیخ الحدیث دارالعلوم پلندری، عبدالرشید ترابی امیر جاعت اسلامی آزاد کشمیر، مولانا عبدالعزیز تھوراڑوی، مولانا امیر الزمان، مولانا محمد الیاس خان، مولانا ابو عمار زاہد الراشدی، مولانا قاضی بشیر احمد ڈسٹرکٹ قاضی راولاکوٹ اور مولانا پروفیسر محمد الطاف خان نمایاں ہیں۔

بیس بگلہ میں مولانا کو مسجد و مدرسہ کی تعمیر کے دوران جن لوگوں کی معاونت حاصل رہی ان کے حالات و واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان لوگوں میں علمائے کرام کے علاوہ سماجی شخصیات کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ ان لوگوں میں سردار منشی ہدایت اللہ خان، راجہ سلیمان خان، حاجی شیر احمد خان اور صوبیدار (ر) علی اکبر نمایاں ہیں۔

مردِ درویش:

"مردِ درویش" حضرت مولانا سید ثناء اللہ شاہ کی سوانح حیات ہے۔ جسے ان کے بیٹے سید عطاء اللہ شاہ نے مرتب کیا ہے۔ سوانح کے آغاز میں مؤلف نے خاندانی پس منظر و تعارف کے علاوہ دارالعلوم کا تعارف اور علمائے دیوبند کے عقائد و نظریات کا بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا سید ثناء اللہ شاہ بھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ اسی ادارہ کے اثرات کے تحت آپ نے نہ صرف باغ شہر کی مرکزی مسجد میں امامت کے فرائض سنبھالے بلکہ بعد ازاں ایک مدرسہ "مدرسہ عربیہ نصرت الاسلام" کا آغاز کیا۔ مسلمانوں کو دینی علوم سے بہرور کرنے کے ساتھ ساتھ باغ شہر میں امن و امان اور بھائی چارے کی فضا کو قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا اور یوں لوگوں کے دلوں میں انہوں نے انمنٹ نقوش چھوڑے۔

مصنف نے مولانا سید ثناء اللہ شاہ کے بارے میں مختلف شخصیات کے تاثرات، انٹرویوز، تعزیتی خطابات اور خطوط کو بھی اپنی تالیف کا حصہ بنایا ہے۔ نمایاں اور ممتاز شخصیات میں شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب دارالعلوم پلندری، سردار محمد عبدالقیوم خان، عبدالرشید ترابی، سردار قمر زمان خان، مولانا مفتی رفیع عثمانی مہتمم جامعہ دارالعلوم کراچی اور ابو عمار علامہ زاہد الراشدی شیخ الحدیث جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ شامل ہیں۔

مولانا مفتی رفیع الدین عثمانی صاحب سوانح کی وفات پر اپنی تعزیتی خط میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے:

"اب ایسے حضرات بھی ایک ایک کر کے رخصت ہوتے چلے جارہے ہیں جنہوں نے بزرگان دین دیوبند سے براہ راست استفادہ کیا تھا۔ ایسے حضرات کا رخصت ہوجانا ہم سب کے لیے باعث تشویش بھی ہے اور صبر آزما بھی۔"(8)

ابو عمار زاہد الراشدی کے مطابق:

"وہ آزاد کشمیر کے ان بزرگ علمائے کرام میں سے تھے جو آج کے دور میں اپنے عظیم اسلاف اوراکابر کییاد گار اور ان کی روایات کے امین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پرانے بزرگوں کے واقعات اور طرز زندگی کے بارے میں کتابوں میں جو کچھ پڑھتے رہتے ہیں اس کی جھلک حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی میں بھی نظر آتی تھی اور سچی بات یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ ان چند گنے چنے بزرگوں میں سے تھے جنہیں دیکھ کر پرانے بزرگوں کییاد تازہ ہوجاتی ہے۔"(9)

حضرت میر سید علی ہمدانی:

میر سید علی ہمدانی کی شخصیت، ابتدائی حالات وواقعات کشمیر میں ان کی آمد اور تبلیغ کے بارے میں "حضرت میر سید علی ہمدانی" کے نام سے ڈاکٹر محمد ریاض کی ایک مختصر سی سوانح حیات ہے۔ اس تصنیف میں انہوں نے سید علی ہمدانی کی کشمیر کی طرف ہجرت اور ان کی دینی سرگرمیوں کو بیان کیا ہے:

"شاہ ہمدان نے 774ھ میں کشمیر کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد 12 سال کا عرصہ آپ نے وادی اور اس کے نواح اور بعض دور دراز علاقوں کی بامقصد سیاحت

میں گزارا۔ کتاب "خلاصۃ المناقب" اور "مستورات" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نائر دوم بزرگ بڑی تندہی سے مخلوقات خدا کی رہنمائی میں لگا رہا اور ہر طبقہ کے لوگوں سے ملتا رہا۔"(10)

مصنف نے شاہ ہمدان کی سیرت و کردار کے حوالے سے لکھا ہے:

"شاہ ہمدان آٹھویں صدی ہجری کے عظیم اولیاء اللہ اور مصلحین میں سے تھے۔ انہوں نے پوری زندگی سیر و سیاحت، درس و وعظ، تبلیغ و اصلاح اور ادبی و اعلیٰ افراد کی رہنمائی میں گزار دی۔"(11)

اپنی تصنیف میں ڈاکٹر محمد ریاض نے شاہ ہمدانؒ کی کتاب "ذخیرۃ الملک" کے تعارف کے ساتھ ساتھ اس کی چیدہ چیدہ باتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

اسرارالاولیاء:

عبدالعزیز قریشی نے اپنی تصنیف "اسرار الاولیاء" میں اسلامی تصوف کی حقیقت، صوفیائے کرام کے چاروں سلسلوں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ برصغیر میں صوفیائے کرام کی آمد کی تاریخ بھی بیان کی ہے۔ عظیم صوفیائے کرام شیخ اسماعیل لاہوریؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور بابا فرید گنج شکرؒ کے حالات و واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

کتاب کا ایک حصہ ان صوفیائے کرام کے بارے میں ہے جنہوں نے کشمیر میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان صوفیائے کرام میں میر سید علی ہمدانی اور شیخ نوالدین ولی رشی نمایاں ہیں۔

یہ تالیف اصل میں کوٹلی آزاد کشمیر کی ممتاز روحانی شخصیت حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی شاری کے بارے میں ہے۔ چنانچہ کتاب کا اہم حصہ قاضی فتح اللہ صدیقی کے حالات و واقعات اور ان کی تعلیمات کے بارے میں ہے۔

شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی:

میر سید علی ہمدانی کے حوالے سے ہی جواد جعفری نے کشمیر اکیڈیمی مظفر آباد سے "میر سید علی ہمدانی" کے نام سے کتاب مرتب کر کے شائع کروائی ہے۔ کتاب میں میر سید علی ہمدانی کی حیات و خدمات کے حوالے سے دو اہم مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلا مضمون پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمان ہمدانی کا "میر سید ہمدانی ایک تاریخ ساز شخصیت" جبکہ دوسرا مضمون سید محمود آزاد کا ہے جس کا موضوع "حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی" ہے۔ جبکہ "بلتستان میں میر سید علی ہمدانی کے آثار" از فدا محمد شاد بھی تالیف کا حصہ ہے۔

فیضانِ سید علی:330 صفحات پر مشتمل "فیضان سید علی" گاؤں سوہاوہ تحصیل دھیر کوٹ باغ کی معروف علمی و روحانی شخصیت سید سید علی کی سوانح حیات ہے جسے سید شبیر احمد شاہ نے مرتب کیا ہے۔

زیرِ تالیف میں مؤلف نے سید سید علی کے اباؤاجداد ان کی ابتدائی زندگی، تعلیمات، ان کی کرامات اور ملفوظات کا تفصیل سے محاکمہ کیا ہے۔

تذکرہ صوفیائے کشمیر:

ڈاکٹر سید یوسف بخاری نے "تذکرہ صوفیائے کشمیر" میں ریاست جموں و کشمیر کے صوفیائے کرام کے حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ان صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے جو بیرون سے کشمیر آئے اور جن کی ابتداء سید بلبل شاہ سے ہوتی ہے۔ اس دور کے ممتاز صوفیائے کرام میں سید علی ہمدانی، سید جانباز ولی اور سید حسین سمنانی شامل ہیں۔

دوسرا دور ان صوفیائے کرام پر مشتمل ہے جن کی ابتداء شیخ نور الدین ولی رشی سے ہوتی ہے۔ مصنف کے مطابق:

> "دوسرا دور رشیوں کا تھا۔ یہ دور برہمنیت اور اسلام کا معجون مرکب ہے برہمنیت ان رشیوں کو ورثہ میں ملی تھی اور اسلام سکھایا گیا تھا۔ ان بزرگوار کی تعلیم کا زیادہ حصہ گوشہ تنہائی اور فاقہ کشی، ترک لذت اور رہبانیت کا تھا۔ لیکن وہ خدا ترس، پارسا اور پاکباز، پرخلوص اور اصول کے پکے تھے۔ ان کی زندگی نفس کشی اور عبادت گزاری میں گزری۔ دنیا سے دور اور اللہ کے بہت قریب رہے۔"(12)

ڈاکٹر سید یوسف بخاری نے رشی سلسلے کے 180 بزرگوں کے حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے دور میں ان صوفیائے کرام کا ذکر ہے جن کا تعلق کشمیر ہی سے تھا لیکن انہوں نے رشیوں کی طرح دنیا ترک نہیں کی بلکہ دین اور دنیا دونوں کو سنبھالا۔ اس دور کے جو صوفیائے کرام مشہور ہوئے ان میں شیخ بہاؤالدین گنج بخش، شیخ حمزہ مخدوم، شیخیعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی جیسے بزرگ شامل ہیں۔ مؤلف نے تیسرے سلسلے کے تقریباً ۴۰۰ صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے مختصراً حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔

"حیات حضرت پیر شاہ غازی"، "حیات حضرت کملا بادشاہ"، "حیات حضرت جنید شاہ"، "حیات حضرت غازی قلندر"، "حیات حضرت سائیں علی بہادر"، "حیات حضرت محمد علی / مائی طوطی صاحبہ"، "حیاتحضرت شاہ عنایت ولی" اور "حیاتحضرت سہیلی سرکار" کے مرتب سید محمود آزاد ہیں۔

چنانچہ اوپر لکھی جانے والی ساری سوانح جو مجلس تحقیق و تصنیف کے تحت لکھی گئیں مختصر کتابچوں کی صورت میں ہیں۔ اسی طرح کی بعض سوانح محکمہ اوقاف کے تحت نکلنے والے سہ ماہی رسالے "انوارالاولیاء" میں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ سارے کے سارے کتابچے سوانح نگاری کے فنی اصولوں پر پورا نہیں اترتے تاہم ان میں سے شخصیت سے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات ضرور مل جاتی ہیں۔

آزاد کشمیر میں صوفیائے کرام اور علمائے دین کی سوانح نگاری کی روایت کا تجزیہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کشمیر میں اہل قلم حضرات کی علماء اور صوفیائے کرام سے گہری عقیدت و وابستگی رہی ہے۔ سوانحی تصانیف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش تمام صوفیائے کرام کے متعلق سوانحی تصانیف پر مواد موجود ہے۔ اگر چہ یہ تصانیف سوانح نگاری کے مروجہ اصولوں پر کم ہی پورا اترتی ہیں۔ لیکن آنے والے محققین و ناقدین کے لئے بہر حال ان تصانیف سے رہنمائی مل سکتی ہے نیز آنے والا سوانح نگار ان تصانیف کو بنیاد بنا کر آزاد کشمیر میں سوانح نگاری کی روایت کو مظبوط سے مظبوط بنانے کے قابل ہو سکے گا۔

حواشی:

1۔ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر، جلد اول ودوم، (مظفر آباد: سیادت پبلیکیشنز، 1990ء) ص185

2۔ بشیر احمد قاضی، حیات امیر شریعت (مولانا عبداللہ کفل گڑھوی) (کراچی: دائرہ معارف، س۔ن) ص248

3۔ عبدالہادی، مولانا، تاثرات، مشمولہ: حیات امیر شریعت از قاضی بشیر احمد (کراچی: دائرہ معارف، س۔ن) ص277

4۔ سید مظفر حسین ندوی، مولانا، پیش لفظ، مشمولہ: فیض الغنی از پروفیسر محمد یعقوب شائق، (لاہور: سدا بہار پبلشرز، 2001ء) ص19، 18

5۔ یعقوب شائق، پروفیسر، فیض الغنی، (لاہور: سدا بہار پبلشرز، 2001ء) ص122

6۔ ایضاً، ص123

7۔ ایضاً، ص149

8۔ بحوالہ مرد درویش، مؤلف مولانا سید عطاء اللہ شاہ، (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، 2005ء) ص297

9۔ زاہد الراشدی، مولانا، تاثرات مشمولہ "مردِ درویش "مؤلد مولانا سید عطااللہ شاہ، (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، 2005ء) ص138

10۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، حضرت میر سید علی ہمدانی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1975ء) ص34

11۔ ایضاً، ص 38

12۔ ایضاً، ص39